ڈاکٹر ارشد محمود ناشادؔ

استاد شعبہ اردو،

علّامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

سر سیّد احمد خان اور فیروز الدین فائض کی مراسلت اور مسدسِ حالی

Dr. Arshad Mehmood Nashad

Associate Professor, Urdu Department,

Allama Iqbal Open University, Islamabad.

Corresponding between Sir Syed Ahmad Khan and Ferozeuddin's Faaiz and Musaddas-e-Haali

"Musaddas-e-Haali" is the most important Poetic text of the last quarter of 19th century. Molana Altaf Hussain Hali presented the ups and downs of Islamic history with tender heartedly. His efforts to energize the Muslims of Sub-contient from a deep sleep were highly acknowledged. There were other such examples have also appeared but they couldont stand infront of “Mussaded” and the shinning exists in every era. This important piece of literature has been translated in many languages. In Farsi Fairoz-u-Din Sheh Meri with pen name. Faaiz translated very first time Sir Syed wrote many letters to him and in this article they are presented and discussed very first time.

”مسدّسِ حالی“ ،مولانا الطاف حسین حالیؔ (۱۸۳۷ء تا ۱۹۱۵ء) کی شہرہ آفاق شعری تصنیف ہے۔اس کا نام اگرچہ ”مدوجزرِ اسلام“ ہے مگر اس کی شہرت ”مسدّسِ حالی“ کے نام سے ہوئی۔اس طویل نظم میں مولانا حالیؔ نے نہایت قدرتِ کلام کے ساتھ مسلمانوں کے عروج وزوال کی کہانی کو بیان کیا ہے۔ حالیؔ کی دردمندی، دل سوزی اور ملت دوستی نے اس حقیقی کہانی کو تاثیر کی دولت سے مالا مال کر دیا۔””مسدّسِ حالی“ کی تخلیق سر سیّد احمد خان (م:۱۸۹۸ء) کی فرمائش یا خواہش کا نتیجہ ہے۔ مولانا الطاف حسین حالیؔ خود مسدّس کے دیباچے میں رقم طراز ہیں:

”قوم کے ایک سچے خیر خواہ نے (جو اپنی قوم کے سوا تمام ملک میں اسی نام سے پکارا جاتا ہے اور جس طرح خود اپنے پُرزور ہاتھ اور قوی بازو سے بھائیوں کی خدمت کر رہا ہے، اسی طرح ہر اپاہج اور نکمّے کو اسی کام میں لگانا چاہتا ہے) آ کر ملامت کی اور غیرت دلائی کہ حیوانِ ناطق ہونے کا دعویٰ کرنا اور خدا کی دی ہوئی زبان سے کُچھ کام نہ لینا بڑی شرم کی بات ہے:

رو چو انساں لب بجنباں در دہن
ور جمادی لافِ انسانی مزن

قوم کی حالت تباہ ہے، عزیز ذلیل ہو گئے ہیں، شریف خاک میں مل گئے ہیں۔ علم کا خاتمہ ہو چکا ہے، دین کا صرف نام باقی ہے۔ افلاس کی گھر گھر پُکار ہے، پیٹ کی چاروں طرف دُہائی ہے۔ اخلاق بالکل بگڑ گئے ہیں اور بگڑتے جاتے ہیں، تعصب کی گھنگھور گھٹا تمام قوم پر چھائی ہوئی ہے۔ رسم ورواج کی بیڑی ایک ایک کے پاؤں میں پڑی ہے۔ جہالت اور تقلید سب کی گردن پر سوار ہے۔ اُمرا، جو قوم کو بہت کُچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں، غافل اور بے پرواہیں۔ علما، جن کو قوم کی اصلاح میں بہت بڑا دخل ہے، زمانے کی ضرورتوں اور مصلحتوں سے محض ناواقف ہیں۔ ایسے میں جس سے جو کچھ بن آئے، سو بہتر ہے۔ ورنہ ہم سب ایک ہی ناؤ میں سوار ہیں اور ساری ناؤ کی سلامتی میں ہماری سلامتی ہے۔ ہر چند لوگ بہت کُچھ لکھ چکے ہیں اور لکھ رہے ہیں مگر نظم، جو کہ انسان کو بالطبع مرغوب ہے اور خاص کر عرب کا ترکہ اور مسلمانوں کا موروثی حصّہ ہے، قوم کے بیدار کرنے کے لیے اب تک کسی نے نہیں لکھی۔ اگرچہ ظاہر ہے کہ اور تدبیروں سے کیا ہوا جو اس تدبیر سے ہو گا مگر ایسی تنگ حالتوں میں انسان کے دل پر ہمیشہ دو طرح کے خیال گزرتے رہے ہیں: ایک یہ کہ ہم کُچھ نہیں کر سکتے، دوسرے یہ کہ ہم کو کُچھ کرنا چاہیے۔۔۔۔۔ ہر چند اس حکم کی بجا آوری مشکل تھی اور اس خدمت کا بوجھ اُٹھانا دشوار تھا مگر ناصح کی جادو بھری تقریر جی میں گھر کر گئی۔ دل ہی سے نکلی تھی، دل ہی میں جا کر ٹھہری۔ برسوں کی بُجھی ہوئی طبیعت میں ایک ولولہ پیدا ہوا اور باسی کڑھی میں ایک اُبال آیا۔ افسردہ دل اور بوسیدہ دماغ، جو امراض کے متواتر حملوں سے کسی کام کے نہ رہے تھے، اُنھیں سے کام لینا شروع کیا اور ایک مسدّس کی بنیاد ڈالی۔“[1]

مولانا حالیؔ کے اس طویل بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ”مسدّسِ حالی“ کی تخلیق سر سیّد احمد خان کی خواہش کا نتیجہ ہے تاہم اس کے مطالعے سے کہیں بھی یہ تاثر نہیں ملتا کہ یہ ایک فرمائشی تخلیق ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ حالیؔ خود مسلمانوں کی حالتِ زار پر دل گرفتہ تھے اور مسلمانوں کی غفلت کیشی اور بدحالی پر اُن کا دل خون کے آنسو روتا تھا۔ سر سیّد کی فرمائش نے ان کے جذب واحساس کو مہمیز کرنے کا کام کیا اور یوں مختصر عرصے میں یہ جیتا جاگتا شعری نمونہ وجود میں آ گیا۔ مولانا حالیؔ اپنے فطری انکسار کے باعث اسے ”ٹوٹی پھوٹی نظم“ قرار دیتے ہیں اور رنگین خیالی کے ذائقے سے عاری ”ابالی کھچڑی“ سمجھتے ہیں مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ ”مسدّسِ حالی“ اپنے انداز، اسلوب، ترتیب، مزاج، فن اور تکنیک کے

اعتبار سے ایسی عمدہ نظم ہے جس کی کوئی دوسری مثال مشکل ہی سے ملے گی۔ "مسدّسِ حالی" پہلی بار جمادی الثانی ۱۲۹۶ھ بہ مطابق جون ۱۸۷۹ء کو مطبع مجتبائی، دہلی میں مولانا حالیؔ کی زیرِ نگرانی شائع ہوئی۔ چھپ کر آتے ہی اس کی کاپیاں سر سیّد احمد خان کی خدمت میں ارسال کی گئیں۔ وہ اس پُر تاثیر شعری تخلیق سے بے حد متاثر ہوئے اور اپنے ۱۰/ جون ۱۸۷۹ء کے خط میں مولانا حالیؔ کو یوں خراجِ تحسین پیش کیا:

"جس وقت کتاب ہاتھ میں آئی، جب تک ختم نہ ہوئی، ہاتھ سے نہ چھوٹی اور جب ختم ہوئی تو افسوس ہوا کہ کیوں ختم ہو گئی۔ اگر اس مسدّس کی بدولت فنِ شاعری کی تاریخ جدید قرار دی جائے تو بالکل بجا ہے۔ کس صفائی اور خوبی اور روانی سے یہ نظم تحریر ہوئی ہے، بیان سے باہر ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ ایسا واقعی مضمون جو مبالغہ، جھوٹ، تشبیہاتِ دُور از کار سے، جو مایۂ نازِ شعر و شاعری ہے، بالکل مبرّا ہے، کیوں کر ایسی خوبی و خوش بیانی اور مؤثر طریقہ پر ادا ہوا ہے۔ متعدد بند اس میں ایسے ہیں جو بے چشمِ نم نہیں پڑھے جا سکتے۔ حق ہے جو دل سے نکلتی ہے، دل میں بیٹھتی ہے۔"(۲)

یہی نہیں بلکہ انھیں اس بات پر بھی فخر تھا کہ یہ اُن کی فرمائش کے نتیجے میں تخلیق ہوئی ہے۔ وہ اس کی تخلیق و اشاعت پر بے حد مسرور ہوئے اور مولانا حالیؔ کو لکھا:

"بے شک میں اس کا محرک ہوا اور اس کو میں اپنے اُن اعمالِ حسنہ میں سے سمجھتا ہوں کہ جب خدا پوچھے گا کہ تُو کیا لایا؟ تو میں کہوں گا کہ حالیؔ سے مسدّس لکھوا لایا ہوں۔"(۳)

مولانا حالیؔ کی خواہش تھی کہ "مسدّسِ حالی" کے اشاعتی حقوق مدرسۃ العلوم کے نام رجسٹری کرا دیے جائیں تاکہ اس آمدنی سے مدرسۃ العلوم کی مالی اعانت ہوتی رہے۔ سر سیّد احمد خان کو جب اس کا علم ہوا تو انھوں نے مولانا حالیؔ کی خواہشِ قلبی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انھیں لکھا:

"آپ کے اس خیال کا کہ حقِ تصنیف مدرسۃ العلوم کو دیا جاوے اور رجسٹری کرا دی جاوے، میں دل سے شکر کرتا ہوں مگر میں نہیں چاہتا کہ اس مسدّس کو جو قوم کے حال کا آئینہ اور ان کے ماتم کا مرثیہ ہے، کسی قید سے مقید کیا جاوے۔ جس قدر چھپے اور جس قدر وہ مشہور ہو اور لڑکے ڈنڈوں پر گاتے پھریں اور رنڈیاں مجلسوں میں، طلبہ سارنگی پر گاویں؛ حال لانے والے اس سچے حال پر حال لاویں، اسی قدر مجھ کو زیادہ خوشی ہو گی۔"(۴)

سر سیّد احمد خان نے "مسدّسِ حالی" کا جیسا والہانہ استقبال کیا اور اس کی جس قدر تعریف و توصیف کی، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے ایسی ہی انقلاب آفریں اور پُر تاثیر نظم کا خواب دیکھا تھا جو اپنی دردمندی، اخلاص کیشی،

احساسِ ملّی اور ذوقِ شعری کی بدولت مولانا الطاف حسین حالیؔ نے پورا کر دکھایا۔ سر سیّد احمد خان نے "مسدّسِ حالی" کو عام کرنے کے لیے تہذیب الاخلاق کے ۱۸۸۰ء کے شمارے میں اس کو من و عن شائع کر دیا۔ (۲)

"مسدّسِ حالی" نے شائع ہوتے ہی مسلمانانِ ہند میں ہل چل پیدا کر دی۔ گھروں، محفلوں، مسجدوں، اداروں، درس گاہوں اور گلی محلوں میں اس کا ذکر ہونے لگا۔ درد مند مسلمان عروج وزوال کی یہ کہانی پڑھ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور اپنی حالتِ زار کو بہتر بنانے اور قعرِ مذلت سے نکلنے کے لیے آمادۂ عمل ہو گئے۔ دوسری طرف "مسدّسِ حالی" کی مخالفت میں طوفانِ بد تمیزی اُٹھ کھڑا ہوا۔ مخالفین میں زیادہ تر ایسے طبقات شامل تھے جن کی سچی تصویریں "مسدّسِ حالی" میں پیش کی گئی تھیں۔ اس آئنے میں اپنی تصویریں دیکھ کر وہ مخالفت پر اُتر آئے۔ ریاکار زاہد، بے عمل عالم، جعلی مشائخ، مغرور منعم اور بے حمیت مفلس اس قافلے میں پیش پیش تھے۔ مخالف گروہ میں ایک طبقہ ایسا تھا جو سر سیّد احمد خان سے خدا واسطے کا بیر رکھتا تھا اور اس کے ساتھ وابستہ ہر شخص کو قابلِ مذمت اور لائقِ طعن خیال کرتا تھا۔ چوں کہ "مسدّسِ حالی" سر سیّد کی فرمائش کا نتیجہ تھی اور اس کا اظہار مولانا حالیؔ نے اپنے مقدمے میں نہایت تشکر آمیز انداز سے کیا تھا اس لیے سر سیّد مخالفین نے اس کو آڑے ہاتھوں لیا۔ مخالف گروہ میں ایک طبقہ لکھنؤ کے نام نہاد قدامت پسند شاعروں کا بھی تھا جو دہلی دبستان کا مخالف تو تھا ہی، نئے انداز واسالیب اور نئے شعری رنگ وآہنگ کا منکر بھی تھا۔ اودھ پنچ میں اس گروہ نے وہ طوفانِ بد تمیزی اُٹھایا کہ الامان والحفیظ۔ "مسدّسِ حالی" کے خلاف یہ ہنگامہ آرائی وقتی اور ہنگامی ثابت ہوئی اور اس کے ہمہ گیر اثرات نے اُردو شعر وادب کا رخ تبدیل کرنے میں فعال کردار ادا کیا۔ قومی اور ملی شاعری کو رواج ملا اور "مسدّسِ حالی" کے اتباع میں دوسری مسلم زبانوں میں اصلاحِ امت کے جذبے کے تحت بیسیوں مسدس تخلیق ہوئے۔ "مسدّسِ حالی" کے کئی دوسری زبانوں جیسے فارسی، عربی، انگریزی، روسی، بنگالی، گجراتی، کشمیری، پنجابی، سندھی اور پشتو میں تراجم اور تشریحات سامنے آئیں۔ "مسدّسِ حالی" کے بلا مبالغہ سیکڑوں ایڈیشن شائع ہوئے اور اس نے مسلمانانِ ہند کو بیدار کرنے میں یقیناً قابلِ قدر کردار ادا کیا۔

"مسدّسِ حالی" کا سب سے پہلا ترجمہ فارسی میں ہوا جو مولوی فیروز الدین کشمیری المتخلص بہ فائض کی سعی وکوشش کا نتیجہ ہے۔ مولوی فیروز الدین کشمیری پنجاب کی ایک ریاست نور پور ضلع کانگڑہ کے رئیس اور کشمیر ہائی کورٹ کے وکیل تھے۔ ان کے دادا میاں صدر الدین مہاراجا سوچیت سنگھ کے مصاحب تھے جنھیں بعد میں مہاراجا گلاب سنگھ نے کمشنر حد بندیِ کشمیر مقرر کیا تھا اور انھیں جنرل ایبٹ صاحب بہادر کمشنر حد بندیِ پنجاب کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ مولوی فیروز الدین کشمیری کے مکمل احوالِ حیات معلوم نہیں۔ ان کا مولد امرت سر ہے۔ مسدسِ فائضی میں "احوالِ مترجم" کے عنوان سے چند اشعار تحریر کیے ہیں، ملاحظہ کیجیے:

مولدم امرت سر است و مسکنِ من نور پور
بہ مقامِ وصل در باغِ ارم دار السرور
علمِ دین و دنیوی از حکمت و ہم عقل و نقل
خوانده ام از واصلان و کاملان اندر وہور
ارثِ من دین است و حکمت کسبِ من فن و ہنر
زرفشانی کامِ من دارم ز آبا زیں فخور
دیده ام از خاضعاں ہم خاشیعان و راضیاں
واصلان و کاملان اندر معارف بر وفور
خورده ام جامے من از شربِ قدم گویند لیک
گشته ام طیرانِ عرفاں لیک لنگم چوں ستور
حمد لِلّٰہ از یدِ موسائی احمد خورده ام
جامِ عرفانی کہ نامم زُمرۂ اہل الشکور(۵)

فائض کشمیری نے ۱۸۸۷ء میں "مسدّسِ حالی" کو فارسی زبان میں ترجمہ کرنے کا ارادہ کیا مگر چوں کہ ترجمہ کرنے کا مقصد محض سخن فہموں میں اپنے نام کا شمول تھا، اس لیے بہت جلد وہ اپنے اس ارادے سے باز آ گئے۔ ۱۸۸۹ء میں جب وہ کشمیر ہائی کورٹ سے بہ طور وکیل وابستہ ہوئے، دوبارہ انھیں "مسدّسِ حالی "کو فارسی میں ڈھالنے کا خیال دامن گیر ہوا۔ کشمیری مسلمانوں کی حالتِ زار کو دیکھ کر وہ تڑپ اُٹھے اور ان کی اصلاح کے لیے متحرک ہو گئے۔ ان کا خیال تھا کہ "مسدّسِ حالی" نے جس طرح ہندوستان کے مسلمانوں کو بیدار کرنے میں مؤثر کردار ادا کیا ہے، اہلِ کشمیر کو بھی اس سے فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ چوں کہ اہلِ کشمیر اکثر اُردو زبان سے نابلد ہیں اس لیے اس کتابِ ہدایت کو فارسی میں منتقل کرنا ضروری ہے۔ اس سے نہ صرف کشمیر بل کہ دیگر فارسی داں ممالک کے مسلمانوں کو بھی فائدہ ہو گا۔ مسدّسِ فائضی کے دیباچے میں انھوں نے لکھا:

"ہر گاہ اکثر اہلِ کشمیر از زبانِ اُردو نابلد اند در زبانِ شیریں پارس علاوہ از کشمیر در اکثر مسلماناں سُکانِ عالم رواجے تام داردو در کشمیر زبانِ پارسی بمنزلہ ہمچو زبانِ مادری در اہلِ کشمیر مروج است لاجرم بجائے اینکہ کتابے جدید صورت تصنیف یابد ترجمہ مسدّس بفارسی کشیدن مناسب و مکتفی انگاشتم کہ

از آں آنچہ مطلب ما است حاصل است وماسوائے کشمیر بہ اکثر سکّانِ عالم ازیں ترجمہ فایدہ مترتب مے تواند شد۔"(۲)

"مسدّسِ حالی" کے فوری فارسی ترجمے کی ضرورت کے تحت مولوی فیروز الدین شمیری نے ایک سال سے بھی کم مدت میں نہ صرف "مسدّسِ حالی" بل کہ مولانا حالیؔ کے نثری دیباچے کا بھی فارسی میں ترجمہ کر ڈالا۔اس عرصے کے دوران میں انھوں نے مولانا حالیؔ سے ترجمہ کرنے اور اس کو شائع کرنے کا اجازت نامہ حاصل کرنے کے لیے سر سید احمد خان سے رجوع کیا۔مولوی فیروز الدین شمیری نے سر سید احمد خان کے نام اپنے فارسی خط کے ساتھ ترجمے کے کچھ نمونے بھی ارسال کیے۔ سر سید احمد خان کی معرفت مولانا حالیؔ سے ترجمہ کرنے اوراس کو شائع کرنے کی اجازت مل گئی مگر سر سید احمد خان نے انھیں اس کام سے باز رہنے کا مشورہ دیا۔سر سید کا مشورہ مولانا شمیری کو پسند نہ آیا اور انھوں نے سر سید سے وضاحت چاہی اور ان ممکنہ وجوہات کا ذکر کیا جن کے باعث سر سیّد نے اس کام سے باز رہنے کا مشورہ دیا تھا مگر سر سید جواب میں ان وجوہات کی نفی کرتے ہوئے اپنے پہلے خیال پر قائم رہے۔ حیرت ہے کہ "مسدّسِ حالی" کے سب سے بڑے محرک، مؤید اور اس کے فروغ کے متمنی سر سید احمد خان اس فارسی ترجمے سے خوش نہ ہوئے اور انھوں نے نہ جانے کس حکمت کے تحت مولانا فیروز الدین شمیری کو اس کام سے باز رکھنے کا مشورہ دیا؟ اس کے باوصف کہ ترجمہ معیاری ہے اور مترجم نے درد مندی اور دل سوزی سے پیغامِ حالی کو فارسی کے قالب میں ڈھالا ہے۔ سر سید کے منع کرنے کے باوجود مولوی فیروز الدین شمیری نے ۱۸۹۰ء میں یہ ترجمہ "مسدّسِ فائضی" کے نام سے اخترِ ہند پریس سے شائع کر دیا۔انھوں نے سر سید احمد خان سے ہونے والی مراسلت بھی اس میں محفوظ کر دی۔

مولانا فیروز الدین شمیری اور سر سید احمد خان کی یہ مراسلت پانچ خطوں پر مشتمل ہے۔ دو خط مولانا فیروز الدین شمیری نے سر سید احمد خان کو لکھے۔ پہلا خط فارسی میں ہے اور تاریخ سے عاری لیکن اندازاً مئی ۱۸۹۰ء کا نگارشتہ ہے۔ دوسرا خط اُردو میں ہے جو سر سید احمد خان کے خط کے جواب میں ۷/ جون ۱۸۹۰ء کو لکھا گیا۔ مراسلت میں شامل تین خط سر سید احمد خان کے ہیں جو بالترتیب ۱۹/ مئی ۱۸۹۰ء، ۲۷/ مئی ۱۸۹۰ء اور ۱۱/ جون ۱۸۹۰ء کو علی گڑھ سے لکھے گئے۔ مکاتیب وخطوطِ سر سید احمد خان کے مدونین کی نگاہ سے یہ نادر مراسلت اوجھل رہی ہے اس لیے سر سید احمد خان کے یہ خط ان کے کسی مجموعۂ مکاتیب میں شامل نہیں ہو سکے۔ "مسدّسِ حالی" کے پہلے فارسی ترجمے کے حوالے سے ہونے والی یہ تاریخی مراسلت "صحیفہ" کے قارئین کی خدمت میں پہلی بار پیش کی جا رہی ہے۔(۳)

مراسلت مابین سر سید احمد خان وفیروز الدین شمیری فائض (۴)

مکتوب فیروز الدین شمیری بہ نام سر سیّد احمد خان:

بخدمت شریف آنریبل ڈاکٹر سر سیّد احمد خان صاحب بہادر نجم الہند ،رئیسِ اعظم علی گڑھ بالقابہ
عزیز از جان مخدوم و مولائے من!

السلام علیکم۔ جزبہ فصاحت و بلاغت مولانا حالیؔ چہ بہ انتقالِ تاریخ تہذیب و تمدنِ اسلام وچہ بہ تبیانِ احوالِ ہمّت وفتوحات وچہ بہ اظہارِ حقائق و تعارفِ اخوانِ اسلام وچہ بہ انکشافِ حالاتِ علماومتقدمینِ کرام وچہ بہ تشریح ہمم وکرمِ متأخرینِ عظام۔ امروز عالمِ اسلام ہندوستان را متحرک ساختہ وولولہ در قلوب انداختہ کہ زبان از بیانش گنگ ولال الحق "مسدّسِ حالی" کار اکسیر دادہ و قاسم البرکاتِ ازل ایں را بہ حصّۂ مولانا حالیؔ گذاشتہ جزاہُ اللہ جزاءً خیرا۔ غرض ازیں فقرات آنست تا بہ مطلب اصلی رسم کہ ہر گاہ بہ عالمِ اسلامِ عجم وشام وتُرک وچین وتاتار وکشمیر واکثر بلادِ عالم زبانِ فارسی مروج است وگروہے لا انتہا از شکرستان زبانِ ہندنہ خائیدہ وبملح فارسی ساختہ واکثر کتبِ دین در اکنافِ عالم الی الآن بہ زبانِ فارسی زیب تسطیر بے یابند لاجرم حمیتِ اسلام بر دلم ذوقی طاری ساختہ تا مسدّس را بہ زبانِ فارسی ترجمہ نمایئم تا اخوانِ باقی اسلام از فیضش عاری نباشد۔ چنانچہ بفضلِ جنابِ باری ترجمہ اش شروع کردم والحمدللہ علیٰ احسانہ بہ برکتِ انفاسِ بزرگاں یک صد بندِ مسدّسِ مذکور مع ترجم دیباچۂ نثرش بہ خطِ ترقیم کشیدہ ام۔ امّا چوں امروز ترددی بہ دلم پیدا گشت لاجرم بہ ذریعۂ جناب سامی از مولانا حالیؔ استجازتِ ترجمہ وطبع ترجمہ اش مے نمایم تا بہ لحاظِ شرع از ترددی کہ از مولانا حالیؔ بر آنست وبہ لحاظِ قانون از ترددحقی کہ دارند پیشِ خدا و دُنیا سرخ رُو باشم۔ بہ طور نمونہ دیباچۂ منظومے کہ من نوشتہ ام مع چند بندِ ترجمہ از چند جا و قدرِ بے ترجمہ، دیباچۂ نثرش دریں جا برورقِ ثانی نقل می کنم۔ اُمید کہ معروض بہ درجۂ قبولیت رسیدہ از مولانا حالیؔ اجازتش گرفتہ بہ تحریرِ جوابش مشرف ومعزز فرمایند۔

الراقم

فیروز الدین احمد

وکیل ہائی کورٹ، کشمیر

(۲)مکتوب سر سیّد احمد خان بہ نام فیروز الدین شہمیری:

بہ خدمت فیروز الدین احمد صاحب شہمیری، حویلی کرنیل حسین علی صاحب مرحوم، جموّں
مشفقی عنایت فرمائے من!

آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ میں نے مولانا حالیؔ کو لکھا ہے، جو جواب آوے گا، اوس سے آپ کو اطلاع دوں گا۔

والسلام

خاکسار سیّد احمد

علی گڑھ ۱۹ر مئی ۱۸۹۰ء

(۳)مکتوب سر سیّد احمد خان بہ نام فیروز الدین شہمیری:

بہ عالی خدمت جناب فیروز الدین احمد صاحب شہمیری متخلص فائضؔ، وکیل ہائی کورٹ کشمیر، حویلی کرنیل حسین علی مرحوم، جموّں

مخدومی مکرّمی!

یہ سب کاغذات میں نے مولوی الطاف حسین صاحب حالی کی خدمت میں بھیجے تھے، آپ کو کچھ عذر نہیں ہے کہ آپ اون[اُن] کی مسدّس کا فارسی اشعار میں ترجمہ کر کے چھاپیں مگر میں دوستانہ آپ کو صلاح دیتا ہوں کہ آپ اس خیال کو چھوڑ دیں تو بہتر ہے، آئندہ آپ کو اختیار ہے۔

میرے نزدیک جو بہتر صلاح تھی وہ میں نے لکھ دی۔

والسلام

خاکسار

سیّد احمد از علی گڑھ

۲۷ر مئی ۱۸۹۰ء

(۴)مکتوب فیروز الدین شہمیری بہ نام سر سیّد احمد خان:

از حویلی کرنیل حسین علی مرحوم از مقام جموّں۔

مؤرخہ: ۷ر جون ۱۸۹۰ء

بہ خدمت شریف عالی جناب ڈاکٹر سر مولوی سیّد احمد صاحب خان بہادر، نجم الہند۔

میرے پیارے مسلمانوں کے مُربّی!

السلام علیکم۔ عنایت نامۂ گرامی پہنچا، مشکور ہوا۔ اے مسلمانوں سوتوں کو جگانے والے! اے اسلام کی کشتی کو گردابِ غرق سے بچانے کی فکر دلانے والے! اے اسلام کے عزیز بھائی! معزز مُربّی! ہمدرد محسن! میں قسمیہ کہتا ہوں، میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں آپ کا شکر ادا کروں کیوں کہ یہ تعریف نہیں شکر ہے اور آپ کا شکر نہیں بلکہ خدا کا شکر ہے کیوں کہ نیک بندگانِ خدا کی نیکیوں کا شکریہ کرنا خدا کی نعمت کا شکر ہے، جس نے اسلام میں ایسے لوگ پیدا کیے۔

مگر جو مصلحت حضور نے ترجمۂ مسدّسِ حالی کی نسبت دی ہے وہ حیرت انگیز ہے۔ ادھر مولانا حالیؔ صاحب سے آپ نے اجازت ترجمہ کی دلا دی اُدھر آپ نے تحریر فرمایا کہ "بہتر مصلحت یہ ہے کہ اس ارادہ کو چھوڑ دو"۔ میرے ناقص خیال میں اس کی بابت کچھ نہ آیا بہ جُز اس کے کہ یا تو میرا ترجمہ خراب ہے، جس کو آپ نے ظاہر فرمانا بہ وجہ دل شکنی میرے کے مناسب نہ سمجھا اور یا مسلمانوں کی پولیٹیکل حالت اس وقت ایسی ہو رہی ہے کہ بہ نظر حزم واحتیاط اس وقت ایسا ارادہ کرنا

کہ ایک ایسی کتاب کا ترجمہ کیا جاوے، جس سے ایک حرکت ایسی قوائے مُردہ باشندگانِ اسلام ممالکِ غیر کے ہو، جس سے وہ سنبھل جانے کی طرف رغبت کریں یا فی الجملہ اپنی حالت پر متوجہ ہوں، اس سبب سے کہ ایک نیم وحشی قوم کے ایسی توجہ بعض خطرناک ہونے کے لیے اندیشہ پیدا کرتی ہے یا کم از کم بوجھ ڈاکٹر ہنٹر صاحب وغیرہ کی قومِ اسلام کو زیرِ بحث لانے کے ایک ہندوستانِ انگریزی کی مسلمان رعیت کا ایسی کتاب کا ترجمہ کرنا اسلام ہندوستان کی نسبت ایک بدگمانی انگریزوں کے دل میں پیدا کرنا ہے، نامناسب خیال کیا گیا ہے۔

اے میرے پیارے مُربّی!

ڈاکٹر ہنٹر صاحب اور بعض اور لوگوں کا جو خیال ہے، میں اس سے متفق نہیں۔ میرے خیال میں ہندوستان میں برٹش امپائر کا مسلّم وفادار فریق اگر رعایائے ہندوستان میں ہے، وہ صرف مسلمان ہیں۔ اگر ضرورت کے وقت ہندوستان میں بھائی بندوں کی طرح سلوک کرنے والے ہیں تو وہ صرف مسلمان ہیں کیوں کہ اسلام کی بنیاد سچائی اور محبت پر ہے اور عیسائی مذہب سے اسلام کا رشتہ ہے اور دیگر ادیان ہندوستان کے بہ جُز ایک مراسم کی مجموعہ کے اور کوئی بات نہیں رکھتے اور نہ اُن کو عیسویت اور موسویت سے کوئی قرابت یا رشتہ ہے۔ اسلام کو اپنے قرابت داروں کے دونوں لحاظ مرعی ہیں اور اوروں کو زمانہ کی حالت کے موافق اپنی مراسم کے مطابق جس طرح ہو سکے معاش کے لیے سب کُچھ روا ہے۔ رہا یہ امر کہ ممالکِ غیر کے مسلمانوں کو توجہ دلائی، میرے پیارے معزز مُربیّ! میں سچ کہتا ہوں کہ میرا مقصد صرف اس ترجمہ سے مسلمانوں کو حصولِ تعلیم اور اخلاقِ محمدی کے لیے رغبت دلانا ہے اور ضروری طور پر جب وہ اس طرف توجّہ کریں گے خواہ وہ اوّل حقارت سے دیکھیں مگر دیکھیں گے تو سہی۔ پس ضروری ہے۔ بیت:

چو می بینی کہ نابینا چاہ است
اگر خاموش بنشینی گناہ است

جب دیکھیں گے تو تجسس ضرور کریں گے اور اُن کے لیے جو کُچھ خواہش ہے کہ وہ توجہ کریں، حاصل ہے۔ مجھے ضروری ہے کہ میں یہ بھی بتلا دوں کہ کس سبب سے میں مسدّس کے ترجمہ پر آمادہ ہوا؛ وہو ہذا:

۱۸۸۷ء میں، مَیں نے اس کے ترجمہ کا ارادہ کیا تھا مگر شاعرانہ خیال سے، جو ایک بھدا خیال تھا مگر سالِ گزشتہ میں جب میں کشمیر پہنچا اور کشمیری مسلمان بھائیوں کی خراب حالت دیکھی تو میرا کلیجہ منھ کو آیا اور نہ تھما اور میرے دل میں یہ بات آئی کہ ضرور کشمیر میں ایک، اسلامیہ اسکول کی ضرورت ہے۔ میں نے اس امر کے لیے بہت کُچھ کوشش کی ہے اور مجھے یقین ہے کہ اسی سال کے آخیر پر کُچھ نہ کُچھ میری محنت کا پھل ہو گا اور میرے خیال میں کشمیریوں کو حیاتِ دوبارہ دینے کے لیے سب سے اوّل مسدّس کا ترجمہ کرنا ضروری تھا اور اس طرح کشمیر کے ساتھ تمام فارسی دان ممالک کو اُس سے فائدہ پہنچنے کی اُمید ہے۔

اب حضور سے التماس ہے کہ اصل وجہ اُس مصلحت کی جو آپ نے مجھے دی ہے، تحریر فرمادیں۔ کیوں کہ یہ بات آپ نے ہی ہم کو سکھلائی ہے کہ بہ غیر تحقیق کسی بات کو تسلیم نہ کرو۔ منتظرِ جواب ہوں۔

میں کُچھ عجائباتِ عالم کی اطلاع بھی آپ کو دینا چاہتا ہوں مگر چوں کہ اس خط میں ایک خاص امر کی بابت گزارش کرنا تھا اس لیے اُس کو دوسری (دوسرے) موقع پر چھوڑا۔ امید ہے حضور مجھے مطلع فرمادیں گے کہ ایسی مصلحت کی کیا وجہ ہے کہ عین مہربانی اور نوازش ہوگی۔ الراقم

خاکسار

فیروز الدین احمد کشمیری تخلص فائضؔ

(۵) مکتوب سر سیّد احمد خان بہ نام فیروز الدین کشمیری:

مخدومی!

جس قدر پولیٹیکل خیالات آپ نے اِس خط میں ظاہر کیے ہیں اور آپ نے سمجھا ہے کہ اون [اُن] پولیٹیکل خیالات کی وجہ سے میں نے آپ کو ترجمۂ مسدّسِ مولوی حالیؔ صاحب سے درگزر کرنے کو کہا تھا۔ وہ سب غلط ہیں۔ میرے نزدیک اب بھی مناسب ہے کہ آپ اس خیال کو چھوڑ دیں، ہمیں کوئی پولیٹیکل امر نہیں ہے۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کا ترجمہ مفید ہوگا اور قوم کو اوس [اُس] سے فائدہ پہنچے گا، میں مانع نہیں ہوں۔ میں خوش میرا خدا خوش۔

والسلام

خاکسار سید احمد

علی گڑھ ___ ۱۱/ جون ۱۸۹۰ء

بہ خدمت

فیروز الدین احمد صاحب فائض کشمیری، وکیل ہائی کورٹ کشمیر، حویلی کرنیل حسین علی مرحوم، جمّوں، سری نگر۔

حوالہ جات

۱۔ دیباچہ مشمولہ مسدّسِ حالی: دہلی، مطبع مجتبائی؛ ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۹ء؛ ص ۸ تا ۱۰۔

۲۔ مکتوب سر سید بنام مولانا حالی (۱۰/ جون ۱۸۷۹ء): مشمولہ مسدّسِ حالی (صدی ایڈیشن)؛ دہلی، حالی پبلشنگ ہاؤس: (۱۹۳۵ء)۔

۳۔ ایضاً

۴۔ ایضاً

۵۔ احوالِ مترجم مشمولہ مسدّسِ فائضی؛ مولوی فیروز الدین کشمیری؛ مطبع اخترِ ہند: (۱۸۹۰ء)۔

۶۔ دیباچۂ اوّل از مترجم مشمولہ مسدّسِ فائضی؛ ص ۳۔